ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۵ رمضان ۱۳۸۴ھ
۲۹ جنوری ۱۹۶۵ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور
۲۵ پیسے

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا رَاَی الْھِلَالَ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ، وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ، ھِلَالُ رُشْدٍ وَّ خَیْرٍ: رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے۔ تو یہ دعا پڑھتے: اللھم اھلہ علینا بالامن و الایمان الخ

یعنی اے اللہ طلوع فرما ہم پر یہ چاند امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ (اے چاند) میرا اور تیرا پروردگار حق تعالیٰ ہے (اے الٰہی) ہدایت و خیر کا چاند ہو۔ ترمذی نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے، کہ حدیث حسن ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً: مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سحری کیا کرو۔ کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُمْنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ قِیْلَ: کَمْ کَانَ بَیْنَھُمَا؟ قَالَ: خَمْسُوْنَ اٰیَۃً، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر ہم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت زید سے پوچھا گیا: کہ سحری اور اذان کے درمیان کتنا فصل تھا؟ فرمایا بقدر پچاس آیات پڑھنے کے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤَذِّنَانِ بِلَالٌ وَّ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ، قَالَ وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَھُمَا اِلَّا اَنْ یَّنْزِلَ ھٰذَا وَیَرْقٰی ھٰذَا، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ رات ہی سے اذان دے دیتے ہیں (لہذا ان کی اذان کے بعد) کھایا کرو اور پیا کرو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ (صبح کی) اذان دے دیں اور حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کی اذانوں میں اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ وہ اترتے اور یہ چڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اَکْلَۃُ السَّحَرِ (رواہ مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں صرف فرق سحری کھانے سے ہے۔ (کیونکہ اہل کتاب سحری نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ آدمی اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے۔ جب تک کہ افطار (روزہ کھولنے) میں جلدی کرتے رہیں گے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا، رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ کہ مجھ کو اپنے بندوں میں سب سے جلدی افطار کرنے والا بندہ زیادہ محبوب ہے، ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، کہ جب رات اس (مشرق کی) جانب سے آ جائے، اور دن اس (مغرب کی) جانب چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو گویا روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا۔

ایڈیٹر
ا
مناظر حسین نظر

خدام الدین

سالانہ گیارہ روپے
ششماہی چھ روپے

ٹیلیفون نمبر ٦٧٥٤٥

جلد ۱۰ — ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۶۵ء — شمارہ ۳۷

الوداع اے ماہِ رمضان! الوداع

زیر نظر شمارہ ماہ رمضان المبارک کا آخری شمارہ ہے۔ خدائے ذوالجلال عزاسمہٗ اور رحمت اللعالمین کے نزدیک سب سے زیادہ رحمتوں والا مہینہ چند دنوں تک اختتام پذیر ہونے والا ہے۔ یہ ماہِ مقدس سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ایک معزز و موقر مہمان کی حیثیت سے آتا ہے اور اپنے انتیس یا تیس دن قیام کے دوران فیوض و برکات کی موسلا دھار بارش برساتا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ کس قسم کے انوار و برکات اپنے جلو میں لاتا ہے۔ اور ان سے کیا کیا انفرادی و اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ تفاصیل آپ اس جریدہ کی گزشتہ چار پانچ اشاعتوں میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے اس معزز مہمان کی کیا تواضع کی؟ اس کی مہمانی کا حق ادا کیا یا نہیں کیا۔ اور اب جبکہ یہ ماہ مقدس رخصت ہو رہا ہے ہم اسے کیا تحفہ دے رہے ہیں اور یہ ہمیں اپنے مقامِ حقیقی پر کن الفاظ و خیالات سے یاد کرے گا؟

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے پہلے اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالئے اور دلوں کو ٹٹول کر دیکھئے تو تمام حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ ہم نے رمضان المبارک کی پہلی ہی اشاعت میں یہ وضاحت کر دی تھی کہ روزہ ہر عاقل و بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔ کوئی کلمہ گو اور صاحب ایمان مسلمان اسے بغیر عذر شرعی کے ترک نہیں کر سکتا۔ اگر عذرِ شرعی کے باعث کوئی شخص روزہ رکھنے سے معذور ہو تو پھر بھی اس کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ رمضان المبارک کے احترام کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہماری اکثریت نے نہ روزہ کو فرض سمجھا اور نہ ہی رمضان المبارک کے احترام کو اپنے اوپر واجب ٹھہرایا۔ سب سے پہلے حکومت پر الزام آتا ہے کہ اس نے اپنا فرضِ منصبی ادا نہیں کیا اور جس کی پیشانی پر فانی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی پر تو شکنیں ابھر آتی ہیں۔ لیکن احکم الحاکمین اور غیرفانی خدا کے حدود توڑنے پر ان کے حیطۂ اختیار میں ہلکا سا ارتعاش بھی پیدا نہ ہوا۔ ویسے تو حکومت ہر موقع پر قرآن و سنت کا نام استعمال کرتی ہے اور ارباب اقتدار وعدہ کرتے ہیں کہ اس ملک میں شریعت کے خلاف تمام قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے اور اسلامی دستور نافذ کیا جائے گا۔ لیکن جب رمضان المبارک آتا ہے تو ان کے ضبطِ نفس کے امتحان کے ساتھ ان کے ایفائے عہد کی بھی آزمائش ہو جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں اسلامی حکومت کہلانے کے باعث اور نفاذِ دستور اسلامی کے بلند بانگ دعاوی کی موجودگی میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں سے مذہبی احکام و فرامین کی پابندی کرائے اور اگر وہ ایسا کرانے میں ناکام رہے یا اس طرف سرے سے کوئی قدم ہی نہ اٹھائے تو عنداللہ جوابدہ ہو گی اور اسے خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑیگا۔

دوسری طرف مسلمان بھی ملزم ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے انہیں خود احکام الٰہی کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ ان کو اس بات کی حاجت نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی انہیں فرائض و واجبات اور عقائد کے بارے میں یاد دہانی کرائے۔ ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کو دل سے مانا جائے اور مسلمانوں فقط وہی ہو سکتا ہے جو خدا اور رسول کے فرامین کو عملی جامہ پہنائے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ روزہ جو ارکان اسلام میں سے ہے اور خدا کی طرف سے فرض ہے۔ ہم نے اس کی کوئی قدرومنزلت نہیں کی اور ہم نے رمضان المبارک میں غفلت و نافرمانی کی تمام سنتیں تازہ کر دیں۔ سڑکوں اور شاہراہوں پر، گلیوں اور بازاروں میں دکان دار اور خوانچہ فروش کھلے بندوں کھانے پینے کی چیزیں بیچتے رہے۔ اور لوگ دن دہاڑے کھاتے پیتے رہے اور اس طرح روزہ کی بے حرمتی اور روزہ داروں کی دل آزاری ہوتی رہی۔ (باقی صلا پر دیکھیے)

نمازِ عید الفطر

حسبِ سابق اس مرتبہ بھی حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی کشمیری دروازہ تا مستی گیٹ کے درمیانی باغ میں ٹھیک ۹ بجے صبح پڑھائینگے۔ جمعۃ الوداع بھی حسبِ معمول اسی جگہ پڑھایا جائیگا تقریر ۱/۲ ۱۲ بجے شروع ہوگی۔ خطبہ ۱/۲ ۱ بجے شروع ہوگا۔

(شیخ عبدالحمید ناظم مسجد)

یومِ عید

قاری عبدالمجید بھاکری
خطیب جامع اومنی بس سروس لاہور

عید کا دن ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک اہم دن ہے۔ اور مسلمان کہلانے والی قوم کے لئے ایک عظیم جشن اور تہوار جس کے بار بار لوٹ کر آنے کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔

عید کا دن مسرت و شادمانی فرحت و سرور فرصت و فراغت کا دن ہے۔ لیکن کن کے لئے؟

کیا اُن نفس کے پجاریوں کے لئے جو بغیر کسی عذر کے رمضان کے دنوں میں کھاتے پیتے اور خواہشات و لذات سے نہ رکے اور اسلام کے شعائر کا مذاق اُڑاتے رہے۔ کیا اُن دولت کے پجاریوں کے لئے جنہوں نے رمضان کے مہینہ میں اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں معمول سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اضافہ کر دیا تھا۔ تاکہ اپنی تجوریاں بھر سکیں۔ کیا ان تن آسانوں کے لئے جو رات کو خدا کے حضور کھڑے ہو کر گناہوں پر اظہار ندامت کر کے معافی مانگنے کے بجائے نائٹ کلبوں اور سینماؤں میں محو رقص و سرود اور مشغول طرب و نشاط رہے۔ کیا اُن پتھر دل چوروں کے لئے جو تراویح کی نماز کے لئے مسجدوں میں آنے والے نمازیوں کے جوتے چرا کر بھاگتے رہے کیا اُن شقی القلب درہم پرستوں کیلئے جو ڈالڈا کے ڈبوں میں گریس اور موبل آئیل ملا ملا کر انسانی زندگیوں سے کھیلتے رہے۔ کیا اُن ننگِ انسانیت بردہ فروشوں کے لئے جو کم سن بچوں کو اغوا کر کے بے شمار خاندانوں کا سکھ اور چین لوٹتے رہے۔ اور جن کی دون تباہی کی وجہ سے ان گنت گھرانے آج ماتم کدے بنے ہوئے ہیں۔ کیا اُن ریاکاروں کے لئے جو روزہ رکھ کر حرام کھاتے رہے رشوتیں لیتے رہے جھوٹ بولتے رہے اور غیبت کرتے رہے۔ کیا ان زبان درازوں کے لئے جو بظاہر روزہ دار تھے۔ لیکن اُن کی زبانیں بدگوئی فحش کلامی اور جھوٹی شہادتوں میں مصروف رہیں۔ کیا ان نام نہاد روزہ داروں کے لئے جو شیخی جتانے کی غرض سے روزہ رکھتے رہے اور آنکھ کو بد نظری زبان کو بد گوئی اور دماغ کو بد خیال سے پاک نہ کیا۔ کیا لذات کے اُن غلاموں کے لئے جنہوں نے نفسانی خواہشات کے مقابلے میں رب جلیل کے فرمان کو پرِکاہ کی حیثیت بھی نہ دی۔

نہیں، نہیں، ہرگز نہیں

آج کا دن اُن لوگوں کے لئے خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ جنہوں نے سابقہ گناہوں کا اعتراف کر کے اُن کی معافی مانگ لی اور آئندہ کے لئے نیکی شرافت تقوٰی پرہیزگاری کو اپنا شعار بنا لیا۔ جنہوں نے رمضان شریف کا اہم فرض ادا کیا۔ اور آج اس سے سبکدوش ہوئے۔ جنہوں قرآنِ عزیز کو پڑھا۔ سنا۔ سمجھا اور اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جنہوں نے ایک عظیم روحانی مجاہدے کو بحسن خوبی تکمیل تک پہنچایا۔ جنہوں نے دنیا اور دنیا کی ہر خواہش پر قابو پا کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی۔ اور نفس کی عزیز سے عزیز خواہش کو اپنے خالق و پروردگار کے حکم کے احترام میں پسِ پشت ڈالا۔

جنہوں نے رمضان کریم کی مبارک ساعات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے آپ کو خدا پر یقینِ محکم۔ اسلام پر عملِ پیہم اور مخلوقِ خدا پر محبت و شفقت کی صفات سے مزین کیا۔ نیز پرہیز گاری خود ضبطی، اور امنِ عامہ، ہمدردی اور مساوات دیانت داری، اور پابندی اصول، خود اعتمادی اور ضبطِ نفس، سخاوت اور ایثار کو شعار بنایا۔ دیگر صفاتِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا جنہوں نے روح کو پاک، نفس کو مطیع اور عادات کو غلام بنا لیا۔ جنہوں نے نفس کی ترغیبات اور محرکات کی اطاعت سے انکار کر کے انسان کی فضیلت کی لاج رکھ لی۔ آج کی حقیقی خوشی ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو بجا طور پر اس کے مستحق ہیں کہ انہیں اسلامی معاشرہ کا کامیاب گروہ قرار دیا جائے۔ اور ان کی عید ہی علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ملک و دین کی شوکت کا باعث ہے ؎

"عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دین"

بقیہ: الوداع ....

(صہ ۳ سے آگے)

ہماری بدبختی کی حد ہے کہ قیام اللیل کے قیمتی اوقات ہم نے جہل قدمی اور لہو و لعب کی نذر کر دیے اور مؤذن کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے ریڈیو پر گانے سنتے رہے یا دوسری لغویات و فضولیات میں مصروف رہے۔

اب آپ خود اندازہ فرما لیجیے کہ یہ معزز و مؤقر مہمان ہم سے خوش جا رہا ہے یا ناراض؟ ظاہر ہے کہ نہ رمضان المبارک ہم سے خوش جا رہا ہے اور نہ قرآن پاک ہی ہم سے راضی ہے۔ کیونکہ ہم نے ان دونوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں کی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس ماہ مبارک کی عزت کرتے۔ اس کی مہمانی کا حق ادا کرتے اور تلاوتِ قرآن میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہ کر اپنے دلوں کو انوارِ رحمانی سے منور کرتے۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ ہم نے اپنی سیاہ بختیوں میں اضافہ کیا ہے۔ اور عنداللہ سُرخرو ہونے کی بجائے رُو سیاہی خرید لی ہے۔ نہ حکومت نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا ہے اور نہ عوام نے احترامِ رمضان کے سلسلے میں اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ نتیجۃً یہ معزز مہمان ہم سے رُوٹھ کر جا رہا ہے اور ہم اپنے دامن میں محرومیاں سمیٹے ہوئے اسے رخصت کر رہے ہیں۔

ہاں وہ لوگ جنہوں نے اس ماہِ مبارک کا حق صحیح معنوں میں ادا کیا ہے اور اس موقع کو غنیمت سمجھا وہ یقیناً اپنے دامن میں نیکیوں کی لازوال دولت سمیٹ چکے اور جنت کے مستحق ٹھہر چکے اور دوزخ سے آزاد ہو چکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیاں معاف فرمائے۔ آمین

خطبہ جمعہ ۱۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۴ھ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۶۵ء

قرآنِ کریم اور رمضان المبارک

از مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ۝

ترجمہ: رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

حاشیہ شیخ الاسلامؒ

حدیث میں آیا ہے کہ صحفِ ابراہیمی اور تورات اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے۔ اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوحِ محفوظ سے اوّل آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسبِ احوال آپ پر نازل ہوتا رہا۔ اور ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سنا جاتے تھے۔ ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہو گئی۔ اس لیے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی۔ پس قرآن کی خدمت اس مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہیے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ اس آیت کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ماہِ رمضان میں تین چیزیں مقصود نظر آتی ہیں۔ اوّل، گھروں میں مذہبی تعلیم پھیلانا۔ دوم، قانونِ مذہب اور روحِ مذہب کا پابند بنانا۔ سوم انتظام قائم کرنا۔ جملہ معترضہ اقوام عالم میں ایک دستور معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں جس قوم پر کوئی نعمت نازل ہو اس وقت اور اس دن میں اس کی سالگرہ مناتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں۔ مسلمانوں پر نزولِ قرآن ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور اس کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ لہٰذا قرآنِ حکیم کی سالگرہ رمضان المبارک میں منائی جاتی ہے اور اس میں قرآنِ پاک کو دوہرایا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا نصابِ تعلیم قرآن۔ زمانۂ تعلیم رمضان۔ اور طریقۂ تعلیم صلوٰۃ التراویح ہے۔ واللہ اعلم۔

بزرگانِ محترم!

ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مجید یوں تو تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور تئیس سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ لیکن جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حاشیوں سے ظاہر ہے اس کی ابتداء اس مقدس مہینے ماہ رمضان سے ہوئی اور قدر کی رات کو یہ نازل ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یادگار قائم رکھنے کے لیے اس میں روزے فرض کر دیے۔ اس طرح رمضان المبارک کا مہینہ گویا قرآنِ عزیز کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ قرآنِ پاک پڑھا جانا چاہیے۔

جبرئیل امینؑ بھی اسی مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔

احادیث میں آیا ہے کہ سال میں جس قدر قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا، رمضان المبارک میں جبرئیل امین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر سناتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا سال آیا تو اس سال قرآن مجید دو بار سنایا گیا۔

لاجواب تحفہ

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآنِ عزیز اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کا لاجواب تحفہ ہے جو امتِ مسلمہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے عطا ہوا۔ یہ تحفہ ہماری روحانی بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا اور زندگی کے ہر گوشے کے لیے مکمل دستورِ حیات ہے۔

یہ تحفہ ایسا انمول تحفہ ہے کہ جو نوعِ انسانی کے لیے کامل ہدایت نامہ ہونے کے باعث یہاں بھی کام آتا ہے، قبر میں بھی کام آئے گا اور حشر میں بھی ساتھ دے گا۔

چونکہ یہ تحفہ رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے اس امّت کو ملا۔ اس لیے رمضان المبارک کے ساتھ اسے خاص تعلق ہے۔ چنانچہ اس تعلق کے پیشِ نظر اس تحفے کی اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ قدر و منزلت کرنا ہمارا خصوصی فرض ہے۔

قرآنِ عزیز کی زیادہ سے زیادہ قدر و منزلت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم اسے زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں۔ اس کے معانی و مطالب پر غور کریں، اس میں بیان کردہ ہدایات کو عملی جامہ پہنائیں اور خداوند قدوس کے اس پیغامِ آخریں کو پورے جوش و خروش اور خلوص و محبت کے ساتھ دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔

واعظِ صامت اور واعظِ ناطق

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف کیمیائے سعادت میں ایک حدیث کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ آدمیوں کے دلوں کو بھی لوہے کی طرح زنگ لگ جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زنگ دور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "موت کو یاد کرنے اور تلاوتِ قرآن سے"۔ مزید فرمایا کہ جب میں دنیا سے جاؤں گا

تو تم لوگوں میں دو واعظ چھوڑ جاؤں گا جو تم کو راہِ راست پر لاتے رہیں گے۔ ایک واعظ صامت (خاموش واعظ کہنے والا) دُوسرا واعظ ناطق (بولنے والا واعظ)۔ یاد رکھو واعظ صامت موت ہے اور واعظِ ناطق قرآن عزیز ہے۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ حجۃ اللہ البالغہ میں تلاوتِ قرآن عزیز کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کی رُوح یہ ہے کہ انسان نہایت ذوق و شوق اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس کے مواعظ میں غور و فکر کرے، اس کے احکام میں اطاعت کا شعور طلب کرے، اس کی مثالوں اور قصص سے عبرت پکڑے، اور جب اللہ کی کسی آیت، صفات اور اس کی نشانیوں پر سے گزرے تو سبحان اللہ کہے، اور جنّت اور رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرے اور جب دوزخ اور غضب کی آیت پر سے گزرے تو اس کی پناہ مانگے۔

قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک حرف بھی پڑھا تو اسے اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا الٓمّٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، اور میم ایک حرف ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ کتب احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف قرآن مجید کا پڑھنا ثواب ہے بلکہ قرآن کی طرف دیکھنا، قرآن کو چھُونا اور قرآن کا سُننا بھی ثواب ہے۔

عمل بالقرآن سے دُنیا میں سربلندی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کتنے ہی لوگوں کو اس کتاب قرآن مجید کی وجہ سے سربلند کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔ (مسلم شریف)

(پست و ذلیل وہ ہوتے ہیں جو قرآن عزیز کے احکام دنیوی پر عمل نہیں کرتے، اور سربلند و سرفراز وہ ہوتے ہیں جو قرآنِ حکیم کے احکام کو بجا لاتے ہیں)۔

قبر میں فائدہ

سُورۂ الٓمّٓ تنزیل اور سُورۂ ملک کے بارے میں آتا ہے کہ یہ سورۃ اپنے صاحب کی طرف سے قبر میں جھگڑا کرتے ہوئے کہے گی۔ اے اللہ العالمین! اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو اس شخص کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اس سے مٹا دے۔ اس کے بعد یہ سورۃ ایک پرندے کی طرح اس مرنے والے کے اوپر اپنے پَر پھیلا دے گی اور اس کی سفارش کرے گی۔ اور عذابِ قبر کو اس سے روک دے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

میدانِ محشر میں شفاعت

حضرت ابُوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کو پڑھتے رہو۔ یقیناً یہ اپنے اصحاب کے لیے شفیع بن کے آئے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حافظِ قرآن کا درجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ (قیامت کے دن) صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور (جنّت کے) مقامات کی طرف چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، جیسا کہ دنیا میں تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے ـــــ گویا قرآن پاک کی ہر آیت جنّت میں ایک درجہ بڑھاتی جاتی ہے۔

نزولِ رحمت

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوتِ کلامِ پاک اور اس کا دَور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائکۂ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔

محترم حضرات!

اندازہ فرما لیجیے کہ تلاوتِ قرآن اور عمل بالقرآن کے کس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں اور کس طرح رحمتِ خداوندی قرآن پڑھنے والے پر نچھاور ہوتی ہے؟ لیکن صد افسوس کہ ہم تلاوتِ قرآن کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے اور اس طرح رحمتِ الٰہی کی مُوسلا دھار بارش سے محروم رہ جاتے ہیں۔

یاد رکھیے! کہ قرآنِ عزیز رمضان المبارک میں نازل ہوا تھا اور اس ایّامِ رمضان کی دو عبادتیں خاص ہیں۔ (۱) دن کو روزہ رکھنا (۲) رات کو قیام کرنا، یعنی تراویح میں قرآن کا سُننا سُنانا اور زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا۔

چنانچہ

روزہ اور قرآن دونوں ہی حشر کے میدان میں اپنے صاحب کی شفاعت کریں گے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے اور اور قرآن محشر کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: "اے میرے رب! میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور شہواتِ... نفسانی سے روکے رکھا۔ پس اب میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما لیجیے۔" اور قرآن کہے گا: "پالنے والے! میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا تھا۔ پس میری شفاعت قبول کر لیجیے۔" چنانچہ ان دونوں کی سفارشیں قبول کر لی جائیں گی۔ (باقی صہ پر)

ایچ عبدالرحمٰن لودھیانی (شیخوپورہ)

قرآن و حدیث کا باہمی تعلق اور ارتباط

از مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پ-۶)

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نُورِ مجسّم اور ایک روشن کتاب آئی۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا نُور سے مُراد نبیؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ زجاج نے بھی اِسی کو پسند کیا ہے۔

کِتابُ اللہ

دُنیا میں بہت سی کتابیں آسمانی مانی جاتی ہیں مگر ہوا پرستوں کے تصرف سے سوائے قرآنِ مُقدّس کے اور کوئی بھی آسمانی کتاب محفوظ نہ رہ سکی۔ قرآنِ مقدس پر گو آج چودہ سو برس کے قریب گُزرے ہیں مگر پھر بھی بعینہٖ اُسی شکل و صُورت کے ساتھ جس پر نازل کیا گیا تھا اب تک اَلحمدُ لِلّٰہ محفوظ و موجود ہے۔ اِس میں نہ کوئی چیز بڑھائی گئی اور نہ ہی کم کی گئی۔ نہ لفظوں میں سرِ مُو فرق ہو سکا، نہ معنی اور مفہوم میں کوئی تبدیلی ہو سکی، یہ صرف قرآنِ کریم کا اعجاز ہے اور بے نظیر اعجاز، اور یہی مصداق ہے آیت:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (پ۱۴-۳)

ترجمہ: ہم نے اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اِس آیت پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

کتابِ الٰہی اور کلامِ مقدّس کی بلیغ عربی کے اندر حقائق و معارف کے نہایت قیمتی جواہر چھپے تھے۔ اِن کو عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے علمائے رَبّانیین کھڑے ہوئے اور جس جس عِلم کی ضرورت محسوس ہوتی گئی اُس کی تدوین یہ حضرات اپنی ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے فرماتے گئے اور درجہ بدرجہ اِس میں نمایاں طور سے ترقی ہوتی رہی۔ صدہا مختصر و مفصّل کتابیں لکھی گئیں جس سے قرآنِ کریم کے قیمتی خزانہ تک پہنچنا سہل اور آسان ہو گیا۔ کیوں کہ ان علوم کی مدد سے ہر مُلک اور قوم کا آدمی بآسانی اللہ کی کتاب سے بہرہ وَر ہو سکتا ہے۔

یہ علوم عِلم القرآن کے لیے مُبادی سمجھے گئے۔ ان مبادی کے بغیر قرآن کی مُراد کو سمجھنا اور اُس کے اصلی اغراض و مقاصد تک رسائی پیدا کرنا ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کے بغیر دیکھ لینا اور کان کے بغیر سُن لینا۔

واقعی علمائے اسلام کا اسلام اور مسلمانوں پر بہت ہی بڑا احسان ہے۔ اگر وہ اِن علوم کی تدوین نہ کرتے اور ان کی اشاعت کے لیے عرق ریزی نہ فرماتے تو ہم نہ قرآن کی مُراد کو پہنچ سکتے ہیں نہ قرآن ملحدانہ خیالات کی آمیزش اور ڈاکہ زنی سے محفوظ رہتا۔

سُنّتِ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

جس طرح آج چودھویں صدی میں قرآنِ کریم اپنی نزولی کیفیات اور خطّ و خال سے بلاکم و کاست موجود ہے اور اس پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے ٹھیک اُسی طرح مسلمانوں کے اس فخر و امتیاز میں بھی کوئی دوسری قوم ان کی حریف اور ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اور اُن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اس استقصاء اور احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے بھی حالات و واقعات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اِس سے زیادہ اور کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ رسُول اللہؐ کے اقوال و افعال کی تحقیق کی غرض سے آپ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور حالات قلمبند کیے گئے۔ اور اُس زمانہ میں کیے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا۔ کیا دُنیا میں کسی شخص کے رُفقاء میں سے اتنے کثیر لوگوں کے نام اور حالات قیدِ تحریر میں آئے ہیں؟ یا آ سکتے ہیں؟ یہ صرف محمد عربیؐ (فِداہُ ابی و اُمّی) کا اعجاز ہے۔

ضرورتِ حدیث

ایک بلیغ کلام میں حسبِ حال کبھی اجمال سے کام لیا جاتا ہے۔ کبھی تفصیل سے۔ جب اجمال ہو گا تو اُس کی توضیح خود مؤلّف یا اور کسی کی طرف سے ضرور ہونی چاہیے ورنہ اجمال مفید مطلب نہ ہو سکے گا۔

قرآنِ کریم دُنیا میں خدا کی آخری کتاب ہے اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ کتابِ الٰہی دُوسری تمام آسمانی کتابوں سے زیادہ جامع، مکمل اور مفصّل ہے اس میں عبادات، اخلاق و مُعاشرت، معاملات، سیاست، اقتصاد، معاش و معاد، ہر چیز کا بیان ہے، لیکن یہ بھی بالکل بدیہی اور ظاہر ہے کہ اِن تمام اُمور کا بیان قرآنِ کریم میں کلّی اور اصولی طور پر ہے، اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ جملہ جزئیات کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی بیان قرآنِ کریم کے برابر محدُود اور متناہی کتاب میں ممکن نہیں۔ دُوسرے ایسے تفصیلی بیان کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہر آدمی جس کو علم سے کچھ تعلق ہو جاتا ہے جانتا ہے کہ دُنیا کے کُل علوم و فنون کی کتابوں میں صرف اُصولی مسائل اور قواعدِ کلّیہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور ہر مصنّف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالبِ علم استاد کی مدد سے اِن کلّیات کا علم اس طرح حاصل کر لے کہ جزئیات کے احکام و حالات اُن ہی کلّیات سے

معلوم کر سکے۔

اصلی معلم قرآن

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ ربّ العزت نے دُنیا کی ہدایت کے لیے قرآن کریم کو اکیلا نہیں بھیجا اور قرآن کے ذریعہ سے اصلاح و ہدایت کی یہ شکل اختیار نہیں کی کہ اس کو کتابی شکل میں بھیج کر لوگوں سے کہہ دیا ہو کہ اس کتاب کو ہر شخص بطورِ خود پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائے، نہیں، بلکہ قرآن سے پہلے اپنے ایک برگزیدہ رسولؐ کو بھیج کر اُن ہی کے سینۂ معارف گنجینہ میں قرآن نازل کیا اور آپ کو مُکلّف فرمایا کہ آپؐ لوگوں کو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔ اور اس کتاب کا درس و تعلیم بھی دیں اور اس کے رموز و اسرار لوگوں پر کھول دیں۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ سُنّت کیا ہے؟ وہ درحقیقت قرآن ہی کی دُوسری شکل ہے۔ اس کے مجملات کی تفصیل، اس کے مشکلات کا بیان، اور اس کے مختصر اشارات کی شرح ہے۔ تفصیل سے مُراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بلکہ تمام عبادات و معاملات کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی، سنّت نے اِس اجمال کی تفصیل کی ہے۔ مثلاً قرآن نے اگر نماز کا حکم دیا ہے تو سنّت نے اس کے ایک ایک جزء کی تفصیل کی ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ گویا سنّت کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے۔

حدیث کی یہ حیثیت امام اوزاعیؒ نے جامع بیان العلم میں حسّان بن عطیہ سے نقل فرمائی ہے۔ نیز امام اوزاعیؒ نے مکحولؒ تابعی سے نقل فرمایا ہے:

الکتاب احوج الی السُّنۃ من السنۃ الی الکتاب۔

ترجمہ: کتاب اللہ سُنّت کی طرف زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سُنّت کے کتاب اللہ کی طرف۔

حافظ ابو عمر اس کی مُراد یہ بیان فرماتے ہیں:

یُرِیْدُ اِنَّھَا تَقْضِیْ عَلَیْہِ وَ تُبَیِّنُ الْمُرَادَ مِنْہُ۔

امام اوزاعی کی مُراد یہ ہے کہ سُنّت قرآن کی مُراد بیان کرتی ہے۔

نیز امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے:

کَانَ الْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ یَحْضُرُہٗ جِبْرِیْلُ بِالسُّنَّۃِ الَّتِیْ تُفَسِّرُ ذٰلِکَ۔

ترجمہ: آنحضرتؐ پر وحی آیا کرتی تھی اور جبرئیلؑ آپؐ کے پاس وہ سنّت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کر دیتی تھی۔

"اعلام الموقعین" میں حافظ ابن قیمؒ نے تحریر فرمایا ہے: کہ احادیث کے ذخیرہ پر اگر نظر ڈالی جائے تو کل تین قسم کی احادیث نظر آتی ہیں۔

(۱) بعض احادیث وہی ہیں جن میں بعینہٖ وہی حکم مذکور ہے جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) بعض میں کسی مجمل کی مُراد یا کسی لفظ کی تفسیر مذکور ہے۔ اِن دونوں قسم کی حدیثوں میں آپ کی اطاعت کا کوئی خاص مفہوم و مصداق ادا نہیں ہوتا۔ اگر یہ احادیث بھی نہ ہوتیں جب بھی یہ احکام قرآن میں مذکور ہونے کی وجہ سے واجب الاطاعت تھے۔ پس یہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ کے تحت میں درج ہیں۔

(۳) بعض احادیث وہ ہیں جن میں وجوب و حرمت کے وہ احکام مذکور ہیں جن میں قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے۔ ان ہی احکام کے ماننے کے لیے قرآن پاک نے وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ تیسری قسم واجب الاطاعت نہ ہو تو پھر خاص اطاعتِ رسول کا کوئی مصداق ہی نہیں نکلتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پوری آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب ہر سہ قسم کی احادیث کی اطاعت کی جائے۔

قرآنِ پاک نے رسولؐ کی مستقل اطاعت کو بھی خدا کی اطاعت کی دُوسری شکل قرار دیا ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پ-۵) رسولؐ کی اطاعت ایک لحاظ سے خدا ہی کی اطاعت ہے۔

(اعلام الموقعین ص ۲۲۴ ج ۲)

حاصل یہ ہے کہ قرآن کو تسلیم کر کے حدیث کا انکار ممکن نہیں۔ اور حدیث کا انکار کر کے قرآن کو ماننے کی کوئی صورت نہیں۔ جس طرح توحید رسالت کو اور رسالت توحید کو مستلزم ہے۔ اِن دونوں میں متن اور شرح کی نسبت ہے۔ پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہے کہ ایک کا اقرار و انکار دُوسرے کا اقرار و انکار بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں متن کی طرح اس کا بیان بھی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ گویا ماتن ہی خود شارح بنا ہوا ہے۔ اس لیے ایسی شرح کو متن سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ایسے بیان کو اصل کتاب سے علیحدہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے مطرف بن شخیر سے جب کسی شخص نے کہا، آپ ہمارے سامنے قرآن کے سوا اور کچھ نہ بیان کیجیے تو اُنہوں نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا نُرِیْدُ بِالْقُرْاٰنِ بَدَلًا وَلٰکِنْ نُّرِیْدُ مَنْ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْقُرْاٰنِ۔

(موافقات)

خدا کی قسم، ہم بھی قرآن کے سوا اور کوئی کتاب نہیں چاہتے، لیکن ہم اس سے کیسے قطع نظر کر سکتے ہیں جو قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔

پس قرآن و حدیث میں فرق صرف مراتب کا ہے ورنہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کی جُدائی اور علیحدگی دُوسرے سے متصوّر اور ممکن نہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حدیث کا رُتبہ قرآن سے کمتر سمجھا گیا ہے۔

رُتْبَۃُ السُّنَّۃِ الْمُتَاَخِّرُ عَنِ الْکِتَابِ۔

(موافقات)

سنّت کا مرتبہ قرآنِ کریم کے بعد ہی ہے۔

امام شاطبی کا ارشاد ہے: "حنفیہؒ نے جو واجب اور فرض کا فرق کیا ہے وہ اسی بات پر مبنی ہے کہ قرآن کو حدیث پر ترجیح ہے اور اس بات پر کہ قرآنِ کریم کا اعتبار سنّت سے قریب تر ہے۔"

آنحضرتؐ کے زمانہ سے لے کر آج تک خلفائے راشدین، تابعین، ائمہ مجتہدینؒ علمائے خیر تمام کے تمام اپنے استنباطات اور اجتہادات میں قرآنِ پاک کے بعد احادیث اور اقوالِ نبی کی تقلید و اتباع کرتے رہے ہیں۔ لیکن اگر اسلام کے اِن نئے محسنوں (منکرینِ حدیث) کے خیالات مان لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ یہ سب کے سب نعوذ باللہ مُشرک، انسان پرست اور کتاب اللہ

کے تارک تھے اور آج جو نئے مفسر اور نئے فقیہ بنے ہیں ان کے اقوال و اجتہادات اور استنباطات کے سننے والے سچے موحد، سچے دین دار اور کتاب اللہ کے سچے پیرو ثابت ہوں تو نعوذ باللہ آنحضرتؐ کا دینِ پاک نہایت ناکام رہا اور تیرہ سو برس تک ناکام رہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے ایک حصہ میں کتاب اللہ کے چند ماہرینِ اسرار پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کو دنیا میں آشکارا کیا اور وہ کام کیا جو نہ خود رسول اللہؐ نے انجام دیا نہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے، نہ عثمانؓ و علیؓ نے اور نہ ہی وہ اور دوسرے صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ سے انجام پا سکا۔ (سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ)۔

پھر ہمیں بتایئے کہ قرآن کی عملی تصویر دنیا میں کبھی جلوہ گر تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو وہ کب؟ اور کس لباس میں؟ اور اس کی تاریخ کہاں سے ملے گی؟ اور اگر نہ تھی تو قرآن سے زیادہ ناکام صحیفہ آسمانی دنیا میں اور کون ہو گا؟ کیا کسی مسلمان کی غیرتِ اسلامی اس خیال کو جائز رکھتی ہے؟ کوئی مسلمان اس کا جواب نفی میں دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور کیسے کر سکتا ہے جب کہ قرآنِ کریم خود ہی بتلاتا ہے کہ اس کے معلمِ اول آنحضرتؐ کو منجانب اللہ فہمِ قرآن کے بارے میں ایک خاص بصیرت اور سوجھ عطا کی گئی تھی جس کے باعث آپ شارح اور مبین تھے۔ اور آپؐ کی شرح و تبیین اور تعلیم اس بصیرت کی روشنی میں ہوتی تی جو آپؐ کو خاص منجانب اللہ عطا ہوئی تھی۔ اور چونکہ ؎

"ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند"

یہ بصیرتِ خاصہ آپؐ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے اس لیے ہر امتی کو قرآنِ حکیم کے باریک معانی، دقیق مطالب اور اس کے غوامض و دقائق تک رسائی کے لیے حضرت شارحِ قرآن (علیہ السلام) کی شرح و بیان کی روشنی درکار ہو گی۔

بالکل بدیہی بات ہے کہ قرآن کا کچھ نہ کچھ فہم تو ہر شخص کو عطا ہوا ہے جو عربی زبان کا حرف شناس ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس فہم کے مراتب و درجات مختلف ہیں۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ ایک آیت کو ہم بار بار پڑھتے ہیں اور وہ سینکڑوں مرتبہ ہماری نظر سے گزرتی ہے، لیکن کسی خاص نکتہ کی طرف ہماری رسائی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک دوسرا شخص اس سے بیک نظر کوئی بہت نفیس علمی نکتہ اخذ کر لیتا ہے۔ پس جب بے ذہن کے ایک امتی کو دوسرے امتی پر فہمِ قرآن میں یہ برتری حاصل ہے تو کیا خود اس کو جس کے قلبِ مبارک پر قرآن نازل ہوا اور جس کا سینہ بالقاءِ ربانی وحیٔ آسمانی سے معمور ہوا اس کو فہمِ قرآن میں کوئی خاص تفوق و امتیاز حاصل نہ ہو گا؟ یقیناً ہو گا۔

اسی فہمِ خاص کے ذریعہ جو شرح و بیان ہو گا وہی "حدیث" ہے۔ اور اسی کا نام سنت ہے اور اسی کی اطاعت و پیروی پر نجاتِ اخروی کا مدار ہے۔ اس سے ہٹ کر جس کے دامن میں جو کچھ ہے اور جہاں بھی ہے وہ ہوائے نفس کی پیروی ہے یا پھر ضلالت و گمراہی۔

اور یہی وہ علم ہے جس کی نسبت آپؐ نے اپنے آخری حج حجۃ الوداع میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (حدیث)

ترجمہ: دیکھو! میں نے تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

گزشتہ سے پیوستہ

مومن کی پرواز

سالاری پانی پتی جامعی سی ٹی

راکٹ میں نہیں بلکہ قرآن حکیم میں ہے۔ جوں جوں قرآن حکیم کو اپنائے گا توں توں روحانی طاقتِ پرواز بڑھتی چلی جائے گی۔ وقت آ گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کی حکمتوں کو عام کیا جائے۔ تا کہ دنیا ایک دفعہ پھر شیریں زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ آئیے ہم آپ کو اس شیریں زندگی کی طرف لے چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

○ اے مومنو! آپ اپنے مالوں کو باطل طریقے سے مت کھایئے۔

تشریح:۔ اللہ کا منشا یہ ہے کہ انسان حرام روزی کمانے اور کھانے سے بچے۔ کیوں کہ جھوٹ، دھوکہ، مکاری اور عیاری سے کمائی ہوئی دولت فتنہ و فساد کا موجب ہوتی ہے۔ اور انسان کو ذلیل و رسوا کرتی ہے۔ البتہ چاہتا ہے کہ مومن پاک روزی کمائے اور کھائے۔ تا کہ اس کی پرواز میں کوتاہی نہ آئے۔ اور وہ اس روحانی تیز رفتار راکٹ کے ذریعہ چاند اور ستاروں سے اوپر جا سکے۔

○ اے مومنو! اطاعت کیجیے اللہ کی اور رسولؐ کی۔

تشریح: اللہ چاہتے ہیں کہ مومن اللہ کے احکامات بجا لائے اور بالکل اسی طرح کہ جس طرح اللہ کے رسولؐ بجا لائے تھے۔ اور اس مطیع زندگی اور عملی حیات کا فائدہ یہ ہو گا کہ بندے پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں گی۔ اور وہ یہ زندگی بسر کر کے آقائے حقیقی سے جا ملے گا۔ جب مالک ہی مل جائے گا تو پھر باقی کیا رہے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی اور زندگی کا حاصل ہے۔

○ اے ایمان والو! اپنی حفاظت خود کیجیے۔

تشریح:۔ اللہ نے مومن کے لیے

(باقی صـ۱۲ پر)

اعتکاف ——— اور شب قدر

از عبد الرشید لدھیانوی

اعتکاف کہتے ہیں مسجد میں اعتکاف کی نیت کر کے ٹھیرنے کو حنفیہ کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک واجب جو منت اور نذر کی وجہ سے ہو۔ جیسے یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ یا بغیر کسی کام پر موقوف کرنے کے یوں ہی کہہ لے کہ میں نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ واجب ہوتا ہے اور جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کو پُورا کرنا ضروری ہے۔

دُوسری قسم سُنّت ہے جو رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی عادت شریفہ ان ایام میں اعتکاف فرمانے کی تھی۔

تیسرا اعتکاف نفل ہے۔ جس کے لیے نہ کوئی وقت نہ ایام کی مقدار مقرر ہے۔ جتنے دن کا جی چاہے کرے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کرے تب بھی جائز ہے۔ اور کم سے کم پانچ دس منٹ کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کے لیے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کر لیا کرے اور اتنے وقت نماز وغیرہ میں مشغول رہے۔ اعتکاف کا ثواب بھی رہے اور اس طرح سے روزانہ بہت سے اعتکافوں کا ثواب بھی مل جائے۔

رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کی بڑی غرض شب قدر کی تلاش ہے۔ اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لیے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سوتا ہُوا بھی ہو، تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا ادھر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے۔ اس لیے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا۔ لہٰذا شب قدر کے قدر دانوں کے لیے اعتکاف سے بہتر کوئی صورت نہیں۔

اعتکاف کی فضیلت اور ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے، کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ جب تک میری درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں ہے ؎

نکل جائے دَم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزُو ہے

اگر حقیقتاً یہی حالت اور یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا پسیجتا ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ کی ذات تو بخشش کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ بلکہ بے بہانہ رحمت فرماتی ہے۔ لیکن ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں ، کوئی سائل ہی نہیں

جب کوئی شخص اللہ کے دروازے پر دُنیا سے منقطع ہو کر جا پڑے تو اس کے نوازے جانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو اکرام فرمائیں، اس کے بھرپور خزانوں کا بیان کون کر سکتا ہے۔

اعتکاف کی رُوح

علامہ ابن قیم رح فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اُس کی رُوح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے۔ کہ سب طرف سے ہٹ کر اُسی کی پاک ذات کے ساتھ مجتمع ہو جائے اور ساری مشغولیتوں کے بدلہ میں اُسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے۔ اور اُس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر اس طرح اس میں لگ جائے۔ کہ خیالات ، تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اور اس کی محبت سما جائے۔ حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ اُنس کی بجائے اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہو جائے کیونکہ یہ اُنس قبر کی وحشت میں کام آوے گا۔ کہ جس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مونس ہو گا اور نہ دل بہلانے والا۔ اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہو گا، تو کس قدر لذت کے ساتھ وقت گزرے گا ؎

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کیے ہوئے

صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں؛ کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال سے ہے۔ اس کی خصوصیتیں حد و شمار سے خارج ہیں، کہ اس میں قلب کو دُنیا و ما فیہا سے یکسو کر لینا ہے۔ اور نفس کو مولا کے سپرد کر دینا اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے ؎

پھر جی میں ہے کہ در پر کسی کے پڑا رہوں
سر زیر بار منتِ درباں کیے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے۔ کہ آدمی سوتے جاگتے عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرب ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے باع قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے مہمان کا اکرام کرتا ہے۔ نیز اللہ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن شیطان کی رسائی وہاں تک نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں، جن کی مسافت زمین

اور آسمان کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے۔ اور جو شخص مسجد میں جماعتِ مغرب سے عشا تک اعتکاف کرے اور نماز اور تلاوتِ قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں ایک محل بناتے ہیں۔ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ دُوسرے بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت مریض کی عیادت وغیرہ ایسے امور ہیں کہ معتکف اعتکاف کی وجہ سے ان کو نہیں کر سکتا۔ اس لیے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رُکا رہا، اُن کا اجر بغیر کیے بھی ملتا رہتا ہے۔ اللہ اکبر، کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے، اور دس عبادتوں کا ثواب مِل جائے۔ درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھوآں دھار برستی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم لوگوں کو اس کی قدر نہیں ؎

حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مِل جاتا
تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

شبِ قدر کی عبادت

رمضان المُبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ کلامِ پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا گیا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خُوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے۔ اُس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گزار دیا۔ اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدردانوں کے لیے یہ بے بہا نعمت عطا فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے کہ "شب قدر حق تعالیٰ جل شانہٗ نے میری اُمّت کو مرحمت فرمائی ہے۔ پہلی اُمّتوں کو نہیں ملی" (در منثور)

بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے پہلی اُمّتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپؐ کی اُمّت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوُا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جائیں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہؓ کو اس پر رشک آیا تو اللہ نے اس کی تلافی کے لیے اس رات کا نزول فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات، حضرت ایوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت یوشعؑ کا ذکر فرمایا کہ اسّی اسّی برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر صحابہ کرامؓ کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر شب قدر کی بشارت سُنائی۔ اور سورۃ القدر نازل ہوئی:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝
(پ ۳۰)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن پاک شبِ قدر میں اُتارا ہے۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اُترتے ہیں اور اس رات میں رُوح القدس (یعنی جبرئیلؑ) بھی نازل ہوتے ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں۔ وہ رات سراپا سلام ہے۔ وہ رات دان ہی برکات کے ساتھ، تمام رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔

بہرحال سبب نزول جو کچھ بھی ہوُا ہو، لیکن امتِ محمدیہ کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسّر ہوتا ہے۔ ورنہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

فضائل شب قدر

قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر اسی رات میں اُترا ہے۔ یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لیے کافی تھی کہ قرآن جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سے فضائل و برکات شامل ہو گئے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد منقول ہے کہ:

"شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ اُترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں، اُس کے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں"۔

مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں حضرت آدم علیہ السّلام کا مادہ جمع ہونا شروع ہوُا۔ اسی رات میں جنّت میں درخت لگائے گئے۔

در منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان پر اُٹھائے گئے، اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی رات میں دُعائیں قبول کی جاتی ہیں، اور گنہ گاروں کی مغفرت کی جاتی ہے۔ اور اللہ والے اس رات میں اپنی عبادت میں ایسی طمانیتِ قلبی، سکون، دل جمعی اور وہ لذت و حلاوت پاتے ہیں کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔ اسی لذت سے آشنا ہو کر کسی اللہ والے نے کہا ہے ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوسِ ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جو نمے خرم

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا - جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے کھڑا ہو) اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

مگر کتنے میرے جیسے بدنصیب انسان ہیں جو اس مبارک رات کی برکات اور فرشتوں جیسی بزرگ ہستیوں کے فیض اور اُن کی دُعاؤں سے محض غفلت اور اپنی سیہ کاریوں کی وجہ سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ شب قدر میں فرشتے حضرت جبریلؑ کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لیے وہاں نہ جاتے ہوں۔ لیکن اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا سوّر ہو یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔ (غالیۃ المواعظ)

مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمت اور رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے، مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتے کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔

شب قدر کون سی رات ہے؟ اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے نقل فرماتی ہیں کہ شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں (۲۱) رات سے شروع ہوتا ہے۔ چاہے مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔ اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹ راتوں میں کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شب قدر پا سکتا ہے۔ (یعنی شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے)۔

بہر حال ہر شخص کو اپنی ہمت اور وسعت کے موافق تمام سال اس کی تلاش میں سعی کرنی چاہیے۔ اگر یہ مشکل ہو تو رمضان کے عشرۂ اخیرہ کو غنیمت سمجھے۔ اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ اگر خدا نخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہر حال غنیمت سمجھنا ہی چاہیے۔ کہ اگر تائید ایزدی شاملِ حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسّر ہو جائے تو پھر تمام دُنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

لیکن اگر میسّر نہ بھی ہو تب بھی اجر سے خالی نہیں۔ بالخصوص مغرب اور عشاء کی نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال بہت ہی ضرور ہونا چاہیے۔ کہ اگر خوش قسمتی سے شب قدر کی رات میں یہ دو نمازیں جماعت سے میسّر ہو جائیں تو کس قدر با جماعت نمازوں کا ثواب ملے۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہؐ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں، تو حضورؐ نے یہ دُعا ارشاد فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

ترجمہ: اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے، اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس معاف فرما دے مجھ سے بھی۔

آخر میں اس عاجز کی استدعا ہے کہ اگر دُعا میں اس ناکارہ کو بھی یاد فرمالیں تو بہت بڑا احسان ہو گا۔ کیونکہ اس سیہ کار کے پلّے سوائے حسرت اور آرزو کے کچھ بھی نہیں ؎

از گنج مقصود ترا دادیم نشاں
گرچہ ما نرسیدہ ایم شاید تو برسی

بقیہ

مومن کی پرواز

(ص۹ سے آگے)

ایک فارمولا بنایا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی مدد اور حفاظت خود کرے۔ جب وہ خود آمادۂ حفاظت ہو گا۔ تب اللہ تعالیٰ بھی اپنی امداد اس کے حسب حال شامل فرما دیں گے۔ مومن ہر ممکن ہتھیار سے مسلح ہو۔ اور پھر اللہ کی ذاتِ اقدس پر تکیہ کرے۔ اللہ یقیناً اس کی امداد کریں گے۔

○ اے ایمان والو! مومنوں میں جو بلا سبب بیٹھے رہنے والے ہیں وہ ان کے برابر نہیں جو اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ چاہتے ہیں کہ انسان اللہ کا دین سربلند کرنے کے لیے جہاد والی زندگی بسر کرے جو اس زندگی کو اپنائے گا وہ معزز اور محترم ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے اس دنیا سے گزر جاتے ہیں، مُردہ نہیں ہوتے زندہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ زندہ ؎

شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے
شہید کا جو خون ہے وہ قوم کی زکوٰۃ ہے
مجاہد و شہید کی بانکپن عجیب ہیں!!
حیات اگر حیات ہے، تو موت بھی حیات ہے

○ اے ایمان والو! تم عدل و انصاف قائم کرنے کا سبب بنو۔

تشریح: اللہ چاہتے ہیں کہ دُنیا میں عدل و انصاف پھیلے۔ چونکہ عدل و انصاف اللہ کی صفات ہیں۔ اس لیے جو شخص اس پہلو کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے انعامات سے نوازتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کے احکامات اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتا ہے وہ حقیقت میں چاند اور ستاروں سے بھی اونچا ہے۔ جہاں راکٹ فیل ہو جاتے عدل و انصاف کرنے والے وہاں سے بھی اونچے مقام پر فائز ہوتے ہیں ؎

زندہ است نامِ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گذشت نوشیرواں نماند

از جناب محمد ہاشم الحسینی

غیر فانی کہانیاں

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف کے قبیلے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کو جمع ہو گئے ہیں۔ یہ عرب کے مشہور تیر انداز اور لڑنے والے تھے۔ آپ بھی بارہ ہزار فوج کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف بڑھے۔ صحابہؓ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے تو اُن کے دل میں غرور پیدا ہو گیا۔ اور کہنے لگے کہ آج ہمارے پاس اتنی فوج ہے کہ ہم کبھی شکست نہیں کھا سکتے۔ اللہ کو ان کا غرور پسند نہ آیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور دشمن کے تیروں کے سامنے بھاگنے لگے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس بلایا۔ پھر جو جم کے لڑے اور دل سے غرور نکال دیا اور خدا پر بھروسہ کیا تو ان کو فتح حاصل ہوئی۔

اس جنگ کے بعد حضورؐ نے مالِ غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ مگر سب سے زیادہ حصہ ان کو ملا جو مکہ کے تھے اور ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا اور ان میں سے بعض نوجوانوں نے کہا کہ آپؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ بعض نے کہا کہ مشکلوں میں ہم یاد آتے ہیں۔ اور غنیمت کا مال دوسروں کو ملتا ہے۔

آپ نے سُنا تو انصار کو بلایا اور چمڑے کا ایک خیمہ لگایا گیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟ ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صرف نوجوانوں نے ایسا کہا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک خطبہ دیا اور انصار سے فرمایا:۔ کہ

"کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو ہدایت دی۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق ہوا۔ تم غریب تھے میری بدولت اللہ نے تم کو دولت مند کیا۔" حضورؐ ارشاد فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے کہ اس کے رسولؐ کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ:۔ نہیں تم لوگ یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمدؐ ساری دنیا نے تجھ کو جھٹلایا۔ ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ سب نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ مگر ہم نے پناہ دی۔ تو محتاج آیا ہم نے تیری مدد کی۔ تم یہ جواب دو میں تمہاری ہر ایک بات کی تصدیق کروں گا۔ لیکن اے گروہِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اُونٹ اور بکریاں لے جائیں تم محمدؐ کو اپنے گھر لے چلو۔"

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ اُٹھے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور عرض کیا بس ہم کو صرف محمدؐ درکار ہے۔"

(۲) ۳ھ کا واقعہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت خبیبؓ کو بعض کافروں نے گرفتار کر کے قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قریش نے ان کو حارث بن عامر کے گھر میں کئی روز تک بھوکا پیاسا رکھا۔ ایک روز حارث کا لڑکا تیز چھری سے کھیلتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اس لڑکے کو تو اپنے زانو پر بٹھا لیا اور چھری لے کر زمین پر رکھ دی بچے کی ماں نے دیکھا تو چیخ مار دی۔ انہوں کہا کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گا۔ مسلمان کا کام بے وفائی اور غداری کرنا نہیں ہے۔

چند دنوں کے بعد قریش نے اُن کو سولی کے نیچے کھڑا کر کے کہا کہ اگر تم اسلام کو چھوڑ دو تو ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر اسلام نہ رہا تو پھر جان بچانے کا کیا فائدہ؟ قریش نے کہا اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا صرف دو رکعت نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ کافروں نے اجازت دے دی۔ آپ نے اچھی طرح وضو کر کے صدق دل سے نماز ادا کی اور کہا جی چاہتا تھا۔ کہ نماز میں دیر لگاؤں۔ صرف تمہارے خیال سے میں نے اس کو مختصر کر دیا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگ جاؤ کہ موت کے ڈر سے نماز لمبی کر دی ہے۔

اب کافروں نے ان کو سولی پر لٹکا دیا اور ہر طرف سے نیزے مارنے شروع کر دیئے۔ ایک سخت دل نے ان کے جگر کو چھید کر پوچھا "اب تو تم چاہتے ہو گے کہ تمہاری جگہ پر محمدؐ ہوتے اور تم چھوٹ جاتے۔"

حضرت خبیبؓ نے فوراً جواب دیا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے۔" آخر عاشقِ صادق و جان نثار اسلام حضرت خبیبؓ نے سولی ہی پر اپنی جان دے دی۔

حضرت خبیبؓ نے سولی پر چڑھنے سے پہلے کچھ اشعار فرمائے ہیں۔ ان میں سے آخر کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

۱۔ اللہ کی قسم جب میں اسلام کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، کہ میں اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گرتا ہوں اور کس طرح جان دیتا ہوں

۲۔ اللہ چاہے تو میرے گوشت کے ایک ایک ٹکڑے میں برکت عطا فرما سکتا ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ ان کی

طرف رحمت کی نظر سے دیکھے گا۔ ایک وہ ہے جس نے خریدار سے کسی مال پر جھوٹی قسم کھاکر یہ کہا کہ مجھے اس مال کی قیمت اس سے زیادہ ملتی تھی جو اس وقت قیمت لگائی ہے۔ دوسرے وہ شخص جو عصر کی نماز کے بعد جھوٹی قسم اس غرض سے کھاتا ہے کہ اس قسم کی وجہ سے کسی مسلمان کا مال مارے۔ تیسرے وہ جس نے ضرورت سے زائد پانی کو روک لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح تو نے اس زائد پانی کو روکا جس میں تیری محنت کو کوئی دخل نہیں تھا اسی طرح میں نے آج اپنے فضل کو تجھ سے روک لیا (بخاری)

زائد پانی سے مراد بارش کا پانی ہے جو عام طور پر گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور برسات کے بعد لوگ اسے کھیتوں اور مویشیوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اس پانی سے اپنا کام نکال کر دوسروں کو موقع دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ قدرتی پانی ہے اس میں کسی کی محنت و مشقت کو دخل نہیں ہے۔ عصر کی نماز کے بعد کا ذکر اس واسطے کیا کہ یہ وقت کاروبار کے ساتھ خاص ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کوئی اچھا عمل نہیں کیا تھا۔ صرف لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور جب آدمی کو تقاضے کے لئے بھیجا کرتا تھا تو اس کو یہ ہدایت کر دیا کرتا تھا کہ جو آسانی سے وصول ہو جائے وہ لے لیجیو اور جس کی وصولی مشکل ہو اس کو چھوڑ دیجیو اور درگزر کیجیو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگذر کرے۔ پس جب اس شخص کا انتقال ہوا تو اللہ نے فرمایا۔ تو نے کوئی نیک عمل کیا ہے؟ اس نے عرض کیا۔ کیا میں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ البتہ میرا ایک لڑکا ملازم تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب میں تقاضے کے لئے اس کو بھیجتا تھا تو کہہ دیا کرتا تھا جس کو ادا کرنا آسان ہوا اس سے لیجیو اور تنگ دست سے درگذر کر دیجیو۔ شاید اللہ ہم سے بھی درگذر کرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تجھ سے درگذر فرمادیا۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھ کو اپنے بندے سے جب وہ دونوں ہاتھ میرے سامنے اٹھاتا ہے شرم آتی ہے کہ میں اس کے دونوں ہاتھوں کو لوٹا دوں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یہ بندہ مغفرت کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مگر میں تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ میں تم کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس بندے کی مغفرت کر دی۔

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو دین کو دنیا حاصل کرنے اور دنیا کمانے کا ذریعہ بنائیں گے لوگوں کو دکھانے کے لئے بھیڑ کی کھال اور صوف کے کپڑے پہنیں گے۔ ان کی زبانیں اور گفتگو شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی مگر ان کے دل بھیڑیوں کی مانند سخت ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میری مہلت اور ڈھیل پر یہ لوگ دھوکہ کھا رہے ہیں یا میری مخالفت کی جرأت کر رہے ہیں سو میں اپنی ذات کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں ان پر ایسے زبردست فتنے بھیجوں گا جن فتنوں کی وجہ سے بڑے سمجھ دار اور بردبار و متحمل مزاج بھی متحیر رہ جائیں گے۔ (ترمذی)

یعنی اس قسم کے ریاکاروں اور دنیا سازوں کو ایسی بلاؤں میں مبتلا کروں گا اور ایسے فتنوں میں الجھاؤں گا کہ ان کے بڑے بڑے سمجھ دار حیران رہ جائیں گے۔

(۷) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے سب سے زیادہ خوف تم پر شرکِ اصغر کا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ شرکِ اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ریا" اور حضور نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ریاکاروں کو حکم دے گا کہ جاؤ ان کے پاس جاؤ۔ جن کے دکھانے کو تم نے دنیا میں اعمال کئے تھے۔ سو جاؤ" دیکھو ان کے پاس کوئی اعمال کا بدلہ یا بھلائی موجود ہے۔ (احمد بیہقی)

چھوٹا شرک یعنی شرک اصغر فرمایا "ریا" کو۔ لوگوں کو دکھانے کو جو عمل کیا جائے اس کے متعلق قیامت میں ارشاد ہو گا جاؤ ان سے ہی ثواب حاصل کرو۔ جن کے دکھانے کو عمل کئے تھے۔

گزشتہ سے پیوستہ

علامہ قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا

درسِ قرآن

واہ کینٹ میں

مرتبہ عثمان غنی بی اے

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ - نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے - اس حصے کی تفسیر میں بہت سی طوالت ہے ، بہت سے احکام ہیں ، بہت سی تفصیل ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ آج سورۂ فاتحہ کا درس ختم ہی ہوجائے تو اچھا ہے - اس لئے میں اجمالی طور پر عرض کرتا ہوں - عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں - اور اسی کو اکثر علماء نے اختیار فرمایا کہ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور ضَالِّیْن سے مراد نصاریٰ ہیں - قرآن کریم نے روزِ اوّل سے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو تم یہودیوں اور نصاریٰ کے عقیدوں کو ، ان کے طرزِ عمل کو یا ان پہ اعتماد کو کبھی بھی اپنے دل میں مت لاؤ - یہودیوں کا رستہ ، یہودیوں کا طرزِ عمل عیسائیوں کا رستہ ، عیسائیوں کا طرزِ عمل ، یہ دونوں تمہارے لئے خطرناک ہیں - عقیدے کے اعتبار سے بھی ، ثقافت کے اعتبار سے بھی - ہر اعتبار سے یہ تمہارے لئے خطرناک ہیں - قرآن نے صاف کہا آگے آتا ہے - قرآن کے پہلے ہی پارے میں وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ - اے میرے حبیبؐ یہ یہود اور نصاریٰ تجھ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تو ان [illegible] ار کرلے - بھائی جب محمدالرّ [illegible] نہیں ہوئے تو مجھ سے [illegible] پ سے راضی ہو سکتے ہیں ؟ [illegible] یں ہیں اور آج تو دنیا کی ساری قومیں میرے دوستو مسلمانوں کو پیسنے کے لئے تیار ہیں - اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو ناکام کرے ، اللہ مسلمانوں کو ان کے حملوں سے بچائے ، لیکن آپ لکھے پڑھے دوست ہیں آپ کو یہ بات تو معلوم ہی ہوگی کہ ابھی پچھلے دنوں پوپ روما سے چل کر بمبئی آیا اور اس سے پہلے ۱۹۶۴ء کے شروع میں پوپ روما سے چل کر اسرائیل آیا - کیا یہ واقعات ویسے ہی ہیں ؟ پوپوں کی تاریخ میں میرا خیال ہے کہ یہ پہلا واقعہ ہے کہ پوپ روما سے چل کر کسی دوسرے ملک میں گیا ہو ، پھر خصوصاً اس ملک - اسرائیل گورنمنٹ یہودیوں کی ہے اور یہودی حضرت مسیحؑ کے قاتل ہیں - حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا ، انہوں نے - اور قرآن نے اگرچہ اس کی نفی کی اور کہا اللہ نے آپ کو سلامت اٹھا لیا لیکن اپنے عقیدے کے مطابق تو وہ قاتل ہوئے نا ، یعنی یہودی جو حضرت مسیحؑ کے قاتل ہیں - یہودیوں کے ملک میں پہلی دفعہ پوپ آتا ہے - پھر وہ پوپ وہاں سے چلا اور ہندوستان میں آیا ہندوؤں کے پاس -

بھائی یہ کیا بات ہے ؟ یہ کس خیال سے تشریف لا رہے ہیں ؟ یہ کس لئے تجویزیں ہو رہی ہیں ؟ کہیں یہ بات تو نہیں کہ دنیا سے مسلمانوں کو نابود کر دیا جائے ؟ اس وقت دنیا میں اٹھارہ ملک لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کے آزاد ہو چکے ہیں - انڈونیشیا سے لیکر طرابلس تک یہ ایک لائن بن چکی ہے - کبھی ایران سے سمجھوتہ ہو رہا ہے ، کبھی ترکی سے مصالحتیں ہو رہی ہیں - یہ کیا بن رہا ہے ؟ سب مل کر اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ - کفر ساری ایک ملت ہے ، خواہ وہ یہودی ہوں ، خواہ وہ ہندو ہوں خواہ وہ عیسائی ہوں ، مسلمانوں کے خلاف - قرآن میں صاف ہے - لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ - ہم کسی پر حملہ نہیں کرتے لیکن ہم یہ تو سوچیں نا کہ ہمارے دوست ہمارے متعلق کیا سوچ رہے ہیں - خیر ہو - ہمارے متعلق کیا کیا باتیں سوچی جا رہی ہیں اور شاید پھر یہ بھی پڑھا ہوگا آپ نے اخباروں میں کہ ابھی پچھلے دنوں یہودیوں نے ایک محضر پیش کیا پوپ صاحب کی خدمت میں - جس [illegible] میں استدعا کی کہ ہمارے متعلق جو ۱۹۶۴ سال ہوگئے ہیں ، یہ بات مشہور ہے کہ ہم عیسیٰؑ کے قاتل ہیں ، اس بات کو ہٹا دیا جائے ، ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں ہیں - ۱۹۶۴ سال کے بعد یہ درخواست دی یہودیوں نے اب - چنانچہ پوپ نے اپنی مجلس کو بلایا اور غور و خوض کے بعد جو فیصلہ کیا وہ فیصلہ اخباروں میں آ چکا ہے - وہ فیصلہ یہ ہوا کہ پوپ نے یہودیوں کی یہ درخواست منظور کرلی کہ واقعی تم عیسیٰ مسیح کے قاتل نہیں ہو - اس پر مولانا عبدالماجد دریابادی نے بڑا مزیدار تبصرہ کیا - وہ فرماتے ہیں کہ قرآن تو کہہ رہا ہے چودہ سو سال سے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اب ہے اور یہ اب ۱۹۶۴ء سال کے بعد کہتے ہیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا - اس میں میں نے عرض کیا ، جی اس میں بھی قرآن کی صداقت ہے - یہودیوں کا معافی نامہ پیش کرنا اور پوپ کا معافی نامے کو قبول کر لینا اس میں بھی قرآن کی صداقت ہے - قرآن شریف میں ہے - اللہ فرماتے ہیں کہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ایک وقت آئے گا کہ دنیا کے ہر اہل کتاب حضرت مسیحؑ پر ایمان لائیں گے - تو ہم تو الحمدللہ پہلے ہی مانتے ہیں - حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور عیسائی بھی مانتے ہیں اور وہ یہودی جو ۱۹۶۴ سال سے کہہ رہے تھے کہ نہیں عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے صلیب لگایا - انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مان لیا تو یہ تو قرآن کی صداقت ہوگئی تو میں عرض خدمت میں یہ کہ رہا تھا یہ باتیں غیر ضروری نہیں بلکہ ضروری ہیں - قرآن تو هُدًی لِّلنَّاسِ ہے - اللہ ہمیں فرماتے ہیں کہ تم مغضوب علیہم کے راستے کو مت اختیار کرو اور نہ ضالین کے راستے کو اختیار کرو - ہم اللہ سے یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اس قوم کا بھی راستہ نہ دکھا جس پر تیرا غضب ہوا - اور حدیث کی روشنی میں وہ کون ہیں ؟ یہودی ہیں - اور نہ اس قوم کے رستے پر چلا جو ضالین ہیں - اس سے مراد حدیث کی روشنی میں نصاریٰ ہیں -

دنیا میں جتنے نظریات آئے ان نظریات میں یہود اور نصاریٰ جو ہیں ان کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے آسمانی نظریات تھے - لیکن یہ کیوں بھٹکے ؟ میرے دوستو میرے بھائیو ! ایک ہوتے ہیں اصول ، ایک ہوتی ہے شخصیت - ان میں سے ایک نے اصول لے لئے ، شخصیت کو چھوڑ دیا - ایک نے شخصیت لی ، اصول کو چھوڑ دیا - یہودیوں نے اصول تو لے لئے تورات کے لیکن شخصیتوں کو چھوڑ دیا - ہر نبی کو قتل کیا قرآن میں آتا ہے - یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ - کسی نبی کو جھٹلایا ، کسی کو قتل کیا - حضرت الیاسؑ کو قتل کیا ، حضرت عیسیٰؑ کو صلیب لگایا - یعنی یہودیوں نے اصول تو لئے لیکن شخصیتوں کو چھوڑ

دیا اور عیسائیوں نے اصول چھوڑ دیئے، شخصیت کو لے لیا۔ کہنے لگے کہ عیسیٰؑ خدا کا بیٹا ہے تعلیم پر عمل وِمل کچھ بھی نہیں۔ خدا کا بیٹا ہے بس ہمیں بخشوا لے گا۔ کفارۃ المسیح پر ہمارا ایمان ہے۔ شخصیت لے لی اصول چھوڑ دیئے۔ قرآن نے بتایا اصول بھی لو، شخصیت بھی مانو۔ جناب محمد الرسول اللہ صلعم کے ساتھ محبت بھی تمہارا ایمان ہے۔ تمہارا ایمان ہونا چاہیئے کہ محمد الرسول اللہ صلعم ساری کائنات سے زیادہ میری نظر میں محبوب ہیں اور جیسا کہ حضورؐ فرماتے ہیں صحیح حدیث میں وَاللہِ لَایُؤمِنُ۔ مجھے خدا کی قسم ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ تین دفعہ فرمایا حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کے بیٹے سے، اس کے باپ سے، سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ یہ ہے محبت۔ یعنی شخصیت کا احترام۔ اور عمل کے متعلق بھی فرمایا کہ اے فاطمہؓ بنت محمدؐ۔ وَاللہِ مَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللہِ شَیْئًا۔ (او کما قال) اے میری بیٹی تو مت یہ کہہ دینا کہ میں چونکہ محمدؐ کی بیٹی ہوں اس لئے بیٹی ہونے ہی کی وجہ سے چھوٹ جاؤں گی نہ۔ تمہیں بھی اپنے عمل کرنے پڑیں گے۔ یعنی اصول کو بھی پکڑو اور شخصیت کو بھی پکڑو۔ یہ دو پہیئے ہیں۔ اسلام کی گاڑی کے۔ اگر شخصیتوں کو چھوڑ دیا گیا، اللہ کے نبیؐ کا احترام چھوڑ دیا گیا اللہ کے نبی کی محبت چھوڑ دی گئی، کچھ بھی نہیں بنتا۔ ساری عمر ٹکریں مارتے رہے، کچھ بھی نہیں بنتا۔ اور اگر عمل کر رہا ہے لیکن عقیدہ محمد الرسول اللہ صلعم پر نہیں ہے تو بھی کچھ نہیں بنتا۔ حضورؐ کے ساتھ محبت، شخصیت کا احترام اور حضورؐ کی تعلیم پر عمل، یہ دونوں چیزیں ہیں، ان پر ہم چلیں گے تو کامیاب ہوں گے۔

آخر میں ہم پڑھا کرتے ہیں آمین۔ آمین کا معنی اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ۔ اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ یہ آمین کے لفظ قرآن میں نہیں ہیں لیکن حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو گویا قرآن ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس کے بعد جب وہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھتے ہیں اور پھر آمین کہتے ہیں تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ یا اللہ تیرے بندوں نے تیری بڑی حمد و ثنا کی اور تجھ سے ایک بڑی عجیب اچھی چیز مانگی، اللہ! تو ان کی دعاؤں کو قبول فرما۔ تو فرمایا فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ تَامِیْنُہٗ تَامِیْنَ الْمَلَائِکَۃِ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ اللہ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتے ہیں، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے۔ مسئلہ تو نماز کا ہے(۴)

آخری قسط (۲)

ایک مفسرِ قرآن ایک ولیٔ زمان

چودھری محمد یوسف ایم اے

ابتدائے آفرینش سے حیات و موت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر زندگی کو لقمۂ اجل ہونا ہے۔ موت سے فرار ممکن نہیں۔ شاہ و گدا۔ امیر و فقیر۔ کہتر و مہتر سب کے سب موت کے ہاتھوں مجبورِ محض ہیں۔ اولیاء اللہ۔ صلحا۔ و اتقیا اور انبیا بھی موت کی دستبرد سے بچ نہیں سکتے۔ قرآن کا یہ فرمان اٹل ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ۔ کل شیٔ فان۔ صرف خدا کی ذاتِ گرامی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ باقی ہر ذی روح کے مقدر میں موت لکھی جا چکی ہے۔ موت کے وجود سے انکار ممکن نہیں۔ جب یہ حقیقت ہے کہ موت اٹل ہے۔ اس سے نجات ممکن نہیں تو پھر کیا یہ غور و تامل ضروری نہیں کہ ہم اپنی زندگی کو زندگی دینے والے کے سپرد اس طرح کر دیں کہ منشائے ایزدی پورا ہو جائے۔ ہمیں راضی برضا ہو کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دینی چاہیئے۔ اس موقع پر مولانا آزاد کا یہ ارشاد کس قدر معنی خیز ہے۔

"اے عزیزانِ غیور! مال و متاع دُنیوی کا جو حال ہے وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہے؟ کون ہے جس نے اپنی زندگی میں دولت و جاہ کے فنائے عاجل کے دو چار تماشے نہیں دیکھے ہیں۔ رہی جان تو وہ بھی ایک جنسِ فانی ہے جو رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہے۔ آپ دیں یا نہ دیں لینے والا ایک دن لے کر ہی چھوڑے گا۔ پھر جو چیز رائیگاں جانے والی ہی ہے اگر اسے دے کر مفت کا احسان اپنے دوست کے سر رکھ سکیں تو اس سے بڑھ کر اور کونسا سودا ہو سکتا ہے"؟

جان بجاناں دہ، وگرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش حافظ ایں نکو یا آں نکو۔

ایک اور موقع پر اسی نکتہ کی وضاحت حضرت مولانا ابو الکلام اس طرح فرماتے ہیں۔

"مسلمانو! یاد رکھو کہ اوروں کی جانیں ان کے قبضہ میں ہوں گی مگر ہم مسلمانوں کی جانیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اسلام ایک خرید و فروخت ہے جو ناقص کو لیتا ہے اور کامل کو دیتا ہے۔ فنا کو خریدتا ہے اور بقا اس کی قیمت میں دیتا ہے۔ ہم نے جس وقت اقرار کیا کہ ہم مسلم ہیں۔ اسی آن اس کا بھی اقرار کیا کہ ہماری جانیں اسلام کے ہاتھ بک گئیں۔ اسلام کے معنی یہی ہیں کہ خدائے واحد کے آگے اپنی گردنوں کو جھکا دینا۔ پھر وہ خواہ اسے دوستوں کی گود میں ڈال دے یا دشمنوں کی تیغ کے سپرد کر دے۔"

المختصر ہماری زندگی بے بس ہے۔ موت کے سامنے سرنگوں ہے اور موت کی بالادستی مسلم ہے۔ ابو ذیب ہذلی ٹھیک کہتا ہے۔

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا۔ الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

(موت نے جہاں اپنے ناخن مارے کہ پھر تم کسی ٹوٹنے ٹوٹکے کو سود مند نہ پاؤ گے۔)

ہمارا ایک اردو شاعر کس قدر بھرائی ہوئی آواز سے پکارتا ہے ؎

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم تہ خاک تماشا کیا ہے

(۴) لیکن ویسے بھی قرآن پڑھنے کے بعد بھی آمین کہتے ہی ہیں تو اللہ تعالےٰ ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمائیں۔ اللہ ہمیں قرآن کی سمجھ نصیب فرمائیں۔ اللہ آپ سے اور مجھ سے، سب سے راضی ہوں۔ آمین۔

لیکن مومن کی موت کس قدر معزز ہے۔ ذی جاہ اور عالیشان ہے۔ مومن کی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ مومن پر جب موت وارد ہوتی ہے تو وہ خندہ زن ہوتا ہے۔ ہزار مسکراہٹوں کے ہجوم میں موت کا استقبال کرتا ہے۔ لیکن اس عالم میں ایک عالم اشکبار ہوتا ہے سینہ فگار ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کیا فرماتے ہیں

نشانِ مردِ مومن با تو گویم!
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

مومن موت سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ موت مومن کے جسد اطہر کا احترام کرتی ہے۔ حضرت مولانا سچے مومن تھے اس لیے جذبۂ ایمان سے معمور ہو کر یوں نغمہ زن ہوتے ہیں۔

"میں نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا وہ مجھے دیا۔ میں اُس سے راضی ہوں جب بلائے میں حاضر ہوں"

ایک اور مقام پر موت کی پذیرائی کو جملۂ استقبالیہ اس طرح ادا کرتے ہیں۔

"پانچ سال ہو گئے ہیں میں نے درزی کو بلا کر اپنے ماپ کا کفن تیار کرا لیا تھا۔ میں ہر وقت موت کے لیے تیار ہوں"

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موت سے متردّد نہ تھے۔ بلکہ ہر لحہ ایک ایک عاشق صادق کی طرح موت کے انتظار میں رہے اس لئے کہ دل مومن تھا۔ ذہن صاف تھا۔ دماغ اور حافظہ نورِ فطرت سے معمور تھے۔ پھر ایسے دل و دماغ میں موت کا خوفناک تصور کیوں کر سما سکتا تھا؟ یہ مردِ خدا سربسجود ہے۔ سجدہ ریز ہے ناصیہ فرسا ہے۔ ربِ کائنات کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ اس کی عظمت کے گن گاتا ہے۔ اس کی تقدیس بیان کرتا ہے۔ اور سبحان ربی الاعلیٰ کا ورد کرتے کرتے ربِ اعلیٰ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا ملتا ہے۔ ایسی موت پر کون ناز نہ کرے۔ یہ موت قابلِ رشک ہے۔ زندگی اس موت پر ہزار جی سے قربان ہے کیونکہ اس موت کی کوکھ سے ہزاروں زندگیاں جنم لیتی ہیں۔ جانے والا مسکراتا ہوا گیا۔ کھلکھلاتا ہوا گیا۔ لیکن وہ اپنے پیچھے ایک عالم سوگوار چھوڑ گیا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ حضرت شیخ التفسیر کی وفات کی خبر پا کر میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ مجھ پر ہی کیا موقوف، ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر چشم گریاں تھی۔ سینہ بریاں تھا اور آہ سوزاں تھی اس عاشق خدا کا جنازہ جا رہا ہے لوگ جوق در جوق آتے لگے۔ ہجوم ایک جلوس کی شکل اختیار کر گیا۔ لوگ بے قرار تھے، بے چین تھے کہ وہ اپنے مرشد کی بندہ نوازی سے محروم ہو گئے دنیا مثل اس بیوہ کے ہو گئی جس سے زبردستی اس کے خاوند کو چھین لیا گیا ہو۔ غرض ہر طرف کہرام کا عالم تھا۔ عقیدت کی آنکھ جھکی تھی۔ شرافت اشکبار تھی۔ طہارت بال نوچ رہی تھی۔ متانت کا چہرہ زرد تھا۔ فطانت مہر لب تھی اس لیے کہ اب شرافتوں کا پروردگار اور طہارتوں کا علمبردار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو رہا تھا۔ ادھر عالم بالا سے ملائک قدسی یک زبان اور ہم آہنگ ہو کر ترانۂ قدسی گا رہے تھے۔ ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

حضرت کا جنازہ پولیس کی بھاری جمعیت کی قیادت میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ شاہراہیں اداس تھیں۔ فضا مغموم تھی۔ ماحول غمناک تھا لیکن جنازہ سسکیوں اور آہوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ روحانی دنیا کے اس بادشاہ کی آمد کے احترام میں کاریں روک دی گئیں بسیں موڑ دی گئیں۔ پیدل سواروں سے کہا گیا ایک طرف ہٹ جاؤ۔ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں۔ کہیں ان کے حضور میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ یہ دیدہ زیب منظر تھا۔ اس لئے کہ بلندیوں سے گل لالہ برس رہا تھا۔ کہیں کہیں چنبیلی کے پھول جنازہ سے آ کر لپٹ جاتے۔ گلاب کھل کر برسا اور اس طرح برسا کہ ساری فضا عطر میں ڈوب گئی۔ ساڑھے چار بجے کے قریب جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں لایا گیا۔ ہجوم ایک سیلِ رواں کی طرح امڈا آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا گویا ساری دنیا یونیورسٹی گراؤنڈ میں اپنا مسکن تلاش کرنے آئی ہے۔ یہاں جنازہ پڑھا گیا۔ پھر جنازہ حضرت کی آخری آرام گاہ کی طرف بڑھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ شیطان کا منہ بند تھا۔ ہر طرف نکھرا ہوا ماحول تھا۔ لوگ اگرچہ روزہ دار تھے لیکن کسی کو بھوک اور پیاس کا احساس نہ تھا بلکہ ہر ایک حضرت کے آخری دیدار کا بھوکا اور پیاسا تھا۔ اتنے میں نماز مغرب کا وقت قریب آ گیا۔ اذان میں دس منٹ باقی تھے کہ حضرت کے جسم اطہر کو آغوشِ لحد میں اتار دیا گیا۔ آسمان کے سورج سے یہ روح فرسا منظر دیکھا نہ گیا۔ جلدی سے وہ کہیں خلاؤں میں جا کر ڈوب گیا۔ ایک آفتاب غروب ہوا۔ دوسرا آفتاب بھی دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

نقد و نظر

سفرنامۂ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب مدظلہٗ
خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
کی

ڈائری کے چند اوراق

مرتبہ: مختار احمد الحسینی

ٹائیٹل دورنگہ جاذبِ نظر لکھائی چھپائی دیدہ زیب،
قیمت اعلیٰ ایڈیشن ایک روپیہ۔ قسم دوم ۷۵ پیسے۔
ناشر: مکتبۂ تعمیرِ حیات حبیب بنک بلڈنگ،
اُردو بازار۔ لاہور

زیرِ تبصرہ کتاب حضرت مولانا قاضی عبد اللطیف صاحب مہتمم مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کا سفرنامہ ہے اور دیارِ حبیبؐ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے جسمیں تمام تر تاریخی اور مقدس مقامات کی تاریخی حیثیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مناسکِ حج اور دیگر ضروری و اہم امور و مسائل کا بیان بھی اس میں موجود ہے۔ نیز کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک قاری جب اسے پڑھتا ہے تو اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت میں مشغول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علمی مضامین اور مقدس سرزمین کے رُوح پرور حالات سے قلب و نظر کو تازہ کر رہا ہے

یہ سفرنامہ اس اعتبار سے بھی افادی اہمیت کا حامل ہے کہ سفرِ حج پر جانے والوں کے لیے رہنما کا کام دے گا اور باقی حضرات یہاں بیٹھے بٹھائے حج کے رُوح پرور مناظر سے لطف اندوز ہوں گے۔

اس کتاب کے کل صفحات ۸۰ ہیں۔ اور سائز = $\frac{20 \times 30}{16}$ ہے۔

بچوں کا صفحہ

(صد ۱۹ سے آگے)

نے فرمایا کہ جب اس کی کھال نکال چکو تو سب سے پہلے اس کے گوشت میں سے میرے یہودی پڑوسی کو دینا ۔ کئی مرتبہ یہی فرمایا غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی دفعہ اس کو فرمائیں گے ۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھے جبرائیل بار بار پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے (اس لیئے بار بار میں بھی کہہ رہا ہوں)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مکارم اخلاق دس چیزیں ہیں ۔ بسا اوقات یہ چیزیں بیٹے میں ہوتی ہیں ۔ باپ میں نہیں ہوتیں ۔ غلام میں ہو جاتی ہیں ۔ آقا میں نہیں ہوتیں ۔ حق تعالیٰ کی عطا ہے ۔ جس کو چاہے عطا کرے ۔ (۱) سچ بولنا (۲) لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا (دھوکا نہ دینا) (۳) سائل کو عطا کرنا ۔ (۴) احسان کا بدلہ دینا (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) امانت کی حفاظت کرنا (۷) پڑوس کا حق ادا کرنا ۔ (۸) ساتھی کا حق ادا کرنا (۹) مہمان کا حق ادا کرنا ۔ (۱۰) ان سب کی جڑ اور اصل اصول حیاء ہے ۔

قصور میں ختم قرآن کی تقریب سعید

مدرسہ تجوید القرآن مسجد میاں بوٹے والی کوٹ مراد خاں شہر قصور میں ۲۶ رمضان المبارک مطابق ۳۰ جنوری ۶۵ء بروز ہفتہ بعد از نماز عشاء ختم قرآن کی تقریب کے سلسلہ میں ایڈیٹر خدام الدین جناب مناظر حسین نظر تقریر فرمائیں گے اور حضرت مولانا قاری محمد طیب شاہ صاحب ہمدانی صدارت کرینگے ۔ (قاری محمد شریف قصوری ناظم اعلیٰ)

بقیہ

خطبہ

(صد ۶ سے آگے)

حاصل

اس حدیث سے یہ نکلا کہ رمضان اور قرآن عزیز کا تعلق بروز محشر بھی قائم رہے گا ۔ اور یہ وہاں بھی سفارش کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے ۔ آمین یا الہ العالمین ۔

ضروری اطلاع

جنرل سیکرٹری مرکزی جمعیت اتحاد القراء پاکستان وجمعیت العلمائے اسلام شہر قصور کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد شریف صاحب قصوری بسلسلہ شرکت دورۂ تفسیر قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور میں مقیم ہیں ۔ جمیع احباب آئندہ خط و کتابت جناب ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ خدام الدین لاہور کی معرفت کریں ۔

چٹ پر سرخ نشان چندہ کے ختم ہونے کی علامت ہے جسے دیکھتے ہی آپ فوراً چندہ بھیج کر ممنون فرمائیں تاکہ یہ کار خیر آپ کے نام جاری رکھا جائے

بچوں کا صفحہ

حقوق ہمسایہ

حاجی کمال الدین مدرس کارپوریشن سکول محمود لبوٹی لاہور

ہونہار بچو! آج کی فرصت میں ہم آپ کو پڑوسی کے حقوق پر کچھ معلومات کرانا چاہتے ہیں بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے گھروں میں اینٹ۔ پتھر روڑے پھینک دیتے ہیں۔ اپنے کوٹھے پر چڑھ کر ان کے گھروں میں جھانکتے ہیں اور پتنگ بازی کرتے ہوئے ہرگز اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہمسایہ کی بہو بیٹی کی بے پردگی ہوگی۔

حضورؐ نے پڑوسی کے حقوق کے متعلق بہت زیادہ تاکیدیں فرمائی ہیں یعنی اس کا اکرام کرے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اس میں اس کی اعانت کرے اور اس سے برائی کو دفع کرے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔ جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر۔ اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے۔ اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر۔ اگر بیمار ہو تو عیادت کر۔ اگر مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دے۔ اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر۔ بغیر اس کی اجازت اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رُک جائے اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو اسی طرح پوشیدہ گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں۔ اور اپنے گھر کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو پکاوے اس کو بھی حصہ بھیجے۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے (تین مرتبہ فرمایا) خدا کی قسم مومن نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضورؐ کون؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں اور (بدیوں) سے مامون نہ ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں حضرات حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے۔

حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب، اور چالیس پیچھے کی جانب چالیس دائیں، اور چالیس بائیں طرف۔

حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا گیا کہ دُور کے پڑوسی سے ابتدا نہ کی جائے بلکہ پاس کے پڑوسی سے کی جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ کس سے ابتدا کروں۔ فرمایا جس کا دروازہ تیرے دروازے سے قریب ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دُور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔

نوٹ شامی سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دُور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ (یعنی غیر مسلم)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں۔

ایک وہ جس کے تین حق ہوں۔ پڑوس کا حق رشتہ داری اور اسلام کا حق، دوسری قسم وہ ہے جس کے دو حق ہوں۔ پڑوس کا حق اور اسلام کا حق۔ تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہو وہ غیر مسلم پڑوسی ہے گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہو گئے اور اس حدیث میں محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے

حضورؐ کی خدمت میں ایک عورت کا حال بیان کیا گیا کہ وہ روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے۔ تہجد بھی پڑھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں داخل ہوگی (چاہے پھر سزا بھگت کر نکل آئے۔)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ پڑوس کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے۔

حضرت ابن المقفع اپنے پڑوسی کی دیوار کے سائے میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ان کے ذمے کچھ قرض ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سائے میں ہمیشہ بیٹھے مگر اس کے سائے کا حق ہم سے کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی اور فرمایا کہ تمہیں قیمت وصول ہو گئی۔ اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔

حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ابن عمرؓ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

۲۹ جنوری سنہ ۱۹۶۵ء

۲۰

فون ۶۷۵۴۵۷

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

چیف ایڈیٹر عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بحوالہ چٹھی نمبری G/۶۳۳۱ مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۵۶ء (۲) پشاور بحوالہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۶۳۰-۲۲۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

امیر پرنٹنگ پریس جی ٹی روڈ شاہدرہ میں باہتمام مولانا عبید اللہ انور پرنٹر اینڈ پبلشر نے چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا۔